© rasailojaraid.com

اسلام کا نظریہ اقتصاد و معاش

تحریر: غلام سرور قریشی جہلم

اسلام ایک ہمہ گیر دائمی اور کامل ترین ضابطہ حیات ہے ۔ خالق و مالک انسان نے اپنی شان خلاقی کا بھرپور عکس اپنے شاہکار یعنی انسان کی تخلیق میں جلوہ گر فرمایا ہے اور پھر اس کے سر پر "ولقد کرمنا بنی آدم" کا تاج سجا کر اسے اشرف المخلوقات کے تخت پر بٹھایا ہے ۔ خالق چاہتا تھا کہ اشرف المخلوقات کا شرف انسانی ہمیشہ برقرار رہے اس لئے اس نے اس دنیا میں اس کے لئے باعزت زندگی گزارنے کا ایک ایسا سکہ بند انتظام فرمادیا کہ اگر وہ خود ہی اس کی خلاف ورزی نہ کرے تو پھر اس کے شرف و تکریم و تحریر پر کسی طرح آنچ نہیں آسکتی ۔ اس حکیم مطلق کی حکمت بالغہ نے ، دیگر تمام شعوب حیات انسانی کی طرح اقتصاد و معاش کے معاملے میں بھی انسان کی پوری پوری رہنمائی فرمائی اور رزاقی اپنے ہاتھ میں رکھی اور فرمایا "روئے زمین پر ہر جاندار کا رزق اللہ کے ذمے ہے اور اس کا گھر بھی" پیٹ جب کھانے کو مانگتا ہو تو پھر سب کچھ بھول جاتا ہے ۔ ہوسکتا ہے کہ بھوکا انسان معیار انسانیت سے گر جائے اور کوئی ایسی حرکت کر بیٹھے جو اس کے شرف کو داغدار کر ڈالے اور وہ گناہ کا مرتکب ہوجائے ۔ "اثم" یعنی گناہ کیا ہے ؟ ہر وہ کام جو اخلاقیات کے تقاضے مجروح کرتا ہو اور انسانی فضیلت کو نقصان پہنچاتا ہو ۔ مثلاً گداگری اثم ہے کیوں کہ مانگنے میں شرف انسانی پر زد پڑتی ہے ۔ شرک اثم ہے کیوں کہ اس گراوٹ میں جب انسان مبتلا ہوتا ہے اور جو حرکات شنیعہ اس سے سرزد ہوتی ہیں ، ان سے اللہ تعالے کی حکومت ، دبدبے ، جاہ وجلال اور اقتدار میں تو کوئی فرق نہیں پڑتا ، ہوتا صرف یہ ہے کہ انسان کبھی انسانوں کو خدا مان لیتا ہے ، کبھی اپنے ہاتھوں سے بے جان پتھر تراش کر اس کی صورتیں بناتا ہے اور پھر اس کے سامنے سجدہ ریز ہوجاتا ہے اور گڑگڑانے لگتا ہے ۔ اللہ احکم الحاکمین کو شرک سے جو چڑ اور کد ہے تو اسی لئے کہ انسان کس پستی میں گرا جارہا ہے ۔ وہ رفعت کو چھوڑ کر ذلت کو اپنا رہا ہے ۔

رزق ہر انسان کا اللہ تعالے نے اپنے ذمے لے رکھا ہے ۔ یہ اسلامی معشیت کا بنیادی اصول ہے ۔ دوسرا اصول بھی قرآن نے بیان فرمایا "اللہ تعالے چاہتے ہیں تو کسی کا رزق بسیط فرمادیتے ہیں اور جس کا چاہتے ہیں تنگ (محدود) فرما دیتے ہیں" اس اصول میں پنہاں حکمت یہ ہے کہ رزق میں کمی بیشی کے فیصلے وہ خود فرماتا ہے ۔ انسان اور انسان کے درمیان محبت اور اخوت قائم رکھنے کے لیے یہ فیصلہ دوررس نتائج کا حامل ہے ۔ حسد ۔ جلن ، بغض ، کینہ ، چھینا جھپٹی ، لوٹ مار ، حرام خوری ، حقوق کا غصب و نہب اور استحصال وغیرہ کا بنیادی سبب معاش اور اولاد ہی ہے ۔ اگر انسان یہ سمجھ لے کہ ان دونوں [illegible] میں جو کچھ [illegible] وہ کسی خارجی تقسیم کا اثر نہیں بلکہ تقدیر کا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

فیصلہ ہے تو وہ چھینا چھپٹی، لوٹ مار اور غصب و نہب اور لوٹ مار سے باز رہے گا ۔ جب وہ یہ سمجھ جائے گا تو یہ سارے ناپسندیدہ مظاہرے ختم ہوجائیں گے اور دنیا میں خود بخود ایک عادلانہ تقسیم دولت کی قائم ہوجائے گی ۔ یہاں سے یہ نہ اخذ کرلینا چاہیے کہ جب رزق کی تقسیم مقدر ہوچکی ہے تو انسانوں کو ہاتھ پیر توڑ کر بیٹھ جانا چاہیے ۔ اس سے مراد یہ ہے کہ چھینا جھپٹی نہ کرو اس سے کچھ نہ بنے گا ـــ بلکہ بنے گا اتنا ہی اتنا ہی، جتنا ہم بنانا چاہیں گے ۔ تم صرف ہاتھ پاؤں ہلاتے رہو ۔ جدوجہد کرتے رہو ۔ حرکت و عمل تمہارا ایک حیلہ ہے ۔ یہ تمہارا فریضہ ہے ۔ باقی یہ کہ کس کی محنت کا کتنا ثمر دینا ہے، یہ فیصلہ ہم خود کریں گے ۔ غور فرمائیں، استحقاق کی بنیاد محنت ہے ۔ اسی کی بنا پر کوئی یہ کہہ سکتا ہے کہ محنت اس نے زیادہ کی تھی اور پھل کسی اور کو زیادہ مل گیا ۔ دیکھئے محنت توسب سے زیادہ وہ مزدور کرتا ہے جو دن بھر اینٹیں ڈھوتا ہے مگر اس کی اجرت بہت تھوڑی ہے ۔ جبکہ ایک ڈاکٹر کسی مریض کو زیادہ سے زیادہ پندرہ منٹ دیتا ہے اور بندہ مزدور کی دن بھر کی اجرت سے زیادہ فیس ایک مریض سے لے لیتا ہے ۔ بظاہر تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ محنت زیادہ مزدور نے کی ہے لیکن حقیقت اس کے برعکس ہے کیوں کہ ڈاکٹر بننے کے لئے اور پھر سپیشلسٹ بننے کے لئے ایک طالب علم کو کم از کم ۲۰ سال جس صبر آزما منزل میں سے گزرنا پڑتا ہے ۔ دراصل وہ ہماری نظر سے اوجھل ہوجاتی ہے ۔ پھر اس پر اس کے والدین نے اس کو بروقت کالج بھیجنے اور اس کو تیار کرانے کے لیے جو مشقت بھری تھی، وہ بھی اس وقت ہمارے سامنے نہیں ہوتی جب وہ دو سو روپیہ فیس لیتا ہے ۔ یہ ۲۰ سالہ محنت، شب بیداری، کتابوں کی دنیا میں مغز ماری الگ لیکن پھر بھی محنت کرکے ہی ڈاکٹر فیس لیتا ہے ۔ آٹھ گھنٹے سرکاری نوکری اور فرائض منصبی کی بجا آوری الگ مشقت ہے ۔ دن رات کا کوئی لمحہ ہو ڈاکٹر کو مستعد ہی رہنا پڑتا ہے ۔ نصف شب کا عمل ہے ۔ مخلوق خواب راحت کے مزے لے رہی ہے ۔ مگر کسی انسان کی جان پر بنی ہے تو ڈاکٹر نرم گرم بستر کو چھوڑے گا ۔ خواب شیریں سے اٹھے گا اور مریض کی مسیحائی کرے گا ۔ جبکہ مزدور نے ان میں سے کوئی مشقت نہیں اٹھائی اور آٹھ گھنٹے کی دیہاڑی لگا کر ہر قسم کی مشقت سے بری ہے جبکہ ڈاکٹر ذمہ داری کا ایک بھاری بوجھ ہر وقت سر پر اٹھائے پھرتا ہے ۔ یہی حال ایک صنعتی کارکن اور کارخانہ دار کا ہے ۔ مزدور بلاشبہ اپنی توانائیاں خرچ کرتا ہے مگر آٹھ گھنٹے ڈیوٹی دے کر فارغ ہوجاتا ہے جبکہ کارخانہ دار نے پہلے جو منصوبہ بندی کی تھی، لاکھوں نہیں کروڑوں روپیہ فراہم کیا تھا، خام مال مہیا کرنا، مصنوعات کے لیے بڑی منڈیاں تلاش کرنا، بین الاقوامی تجارتی میدان میں مقابلہ کرنا، مزدوروں کو تنخواہیں مہیا کرنا، ان گنت مسائل سے نپٹنا تب کہیں جاکر نفع نقصان کا مرحلہ آتا ہے، آخر دیوالیہ تو کارخانہ دار ہی ہوتا ہے ۔ مزدور گھر آجاتا ہے ۔ جائیداد کارخانہ دار کی قرق ہوتی ہے ۔ رہا نفع تو پھر مقدر کی بات ہے ۔ میں نے یہ تفصیل اس لئے لکھی ہے کہ (لیس للانسان الا ما سعی) کے معانی واضح ہوجائیں ۔ مسجدوں اور سکولوں سے بھاگنے والے پھر آوارہ گردی کرنے والے استادوں کی ماریں نہ کھانے والے، من مانیاں کرنے والے ۔ بچپن میں سکھی رہنے والے، راتوں کو مزے سے سو رہنے والے جب ان حالات میں بالغ ہوجائیں گے تو کبوتر بازی ہی کریں گے ۔ مرغ لڑائیں گے، پتنگیں اڑائیں گے ۔ بتائیں وہ اور کیا کریں گے ـــ ؟ پس جو لوگ بچپن

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

میں کھلنڈرے ہوتے ہیں اور والدین ان کو لاڈلا کر کے رکھتے ہیں، بڑے ہو کر کس قانون کے تحت، دولت مند ہو جانے کی تمنا کرتے ہیں پھر جب وہ خوشحال لوگوں کو دیکھتے ہیں تو اپنے مقدر کا رونا روتے ہیں اور یہ نہیں سوچتے کہ مستقبل کا محل ماضی کی محنت پر تعمیر ہوتا ہے۔

اسلام کے تمام احکام کی بنیاد خیر اور بھلائی پر ہے۔ وہ نجی ملکیت کا داعی ہے تاکہ ہر انسان نہایت یکسوئی سے میدان دنیا میں محنت کرے اور ترقی کرے۔ لیکن اس ترقی کی دوڑ میں وہ اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ کوئی دوڑنے والا، کسی دوسرے دوڑنے والے کو کہنی مارے یا اسے گرانے کی کوشش کرے۔ بلکہ بھلائی کے ساتھ اپنے کمزور بھائیوں کی دستگیری کرے، ان کی ہمت بڑھائے اور انھیں آگے بڑھنے میں مدد کرے۔ وہ نجی ملکیت کو روا رکھتا ہے اور کسی بھی شخص کی محنت پر شبخون نہیں مارتا۔ بلکہ اس کی املاک اس کے مرنے کے بعد بھی ریاستی انتظام میں نہیں لی جاسکتیں بلکہ اس کی اولاد اور اولاد نہ ہونے کی صورت میں اس کے قریب و دور کے رشتہ دار اس کے حق دار ہیں۔

نجی ملکیت کی ایک حکمت تو اوپر بیان ہوئی۔ دوسری حکمت یہ ہے کہ دنیا امتحان گاہ ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے احسن خلق الموت والحیاہ یسبوکم ایکم احسن عملا یعنی " حیات و ممات اس لیے پیدا کی گئی تاکہ امتحان لیا جاسکے کہ کون اچھے اعمال کرتا ہے" اسلام یہ دیکھنا چاہتا ہے کہ دامن کو خار سے کون بچاتا ہے۔ لہذا دولت پر ملکیت کو تسلیم کر کے یہ بھی آزمائش ہو سکتی ہے کہ اس دولت کو کیسے خرچ کیا گیا۔ قرآن مجید میں آتا ہے " انسان کے دل میں خیر (دوات) کی محبت بڑی شدید ہے " محنت سے کمائی ہوئی پیاری دولت کو اللہ کے احکام کے مطابق خرچ کرنا واقعی بڑی آزمائش ہے۔ اسلام انسان کی صالح فطرت پر بھروسہ کرتا ہے اور دولت پر اس کی ملکیت کو تسلیم کر کے پھر اس سے اپیل کرتا ہے اور ایمان داروں کی پہچان یہ بتائی کہ " وہ اس میں سے خرچ کرتے ہیں جو ہم نے (اللہ تعالیٰ نے) عطا فرمایا ہے " غور فرمائیں خرچ تو شیاطین بھی کرتے ہیں۔ لہذا خرچ کرنے سے مراد اللہ تعالےٰ کی رضا اور پسند کے مطابق خرچ کرنا ہے۔ انفاق فی سبیل اللہ کے لئے انسان پر کوئی جبر نہیں۔ وہ زکوۃ و عشر مسلمانوں سے حکماً وصول کرتا ہے لیکن اس کے بعد وہ صرف اپیل کرتا ہے۔ دولت کے استعمال پر بھی وہ ایک پابندی عائد کرتا ہے یعنی دولت مند، دولت کا مالک و مختار تو ہے لیکن وہ اسراف و تبذیر کا مجاز نہیں۔ اس میں بڑی حکمت ہے۔ دولت کا مسرفانہ استعمال معاشرتی سلامتی کے لئے نقصان دہ ہے۔ قرآن مجید میں بیان ہوا ہے کہ فساد فی الارض پھیلانے اور اللہ تعالےٰ کے غضب کو دعوت دینے والے ہمیشہ مترفین ہوئے ہیں اور کئی بستیاں مترفین کی خرابیوں کے باعث تباہ کر دی گئیں۔ دولت شہد بھی ہے اور زہر بھی ہے۔ اس کا بے جا استعمال ایک طرف معاشرتی سلامتی کے لئے خطرہ ہے تو دوسری طرف خود دولت مند کی تباہی کا باعث ہے۔ کھانے پر بے جا خرچ کرنے والا جلدی مرے گا۔ شراب نوشی، قمار بازی حرام کاری اور فضول خرچی کرے گا تو جلدی مرے گا اور اپنی نسل میں بھی فتور پیدا کرے گا۔ یہ بندے کی ذات تک ہے۔ مگر جب وہ دولت کا مبذرانہ استعمال کرتا ہے تو معاشرے میں ایسی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ایسی روایات، شادی، مرگ، پیدائش وغیرہ پر قائم کرتا ہے جن پر معاشرے کے تمام طبقات کے لئے پورا اترنا ایک عذاب بن جاتا ہے۔ وہ بیٹی کی شادی پر جو دھوم دھام دکھاتا ہے، اسے دیکھ کر سب افراد معاشرہ کے دل میں یہ خواہش جنم لیتی ہے کہ وہ بھی اپنی اولاد کی شادی اسی شان وشوکت سے کریں مگر ان کے وسائل ایسا کرنے کی اجازت نہیں دیتے مترفین اپنی صرف ایک حرکت سے ہزار معاشرتی خرابیوں کا باعث بنتے ہیں اس لئے اللہ کے مغضوب اور شیطان کے بھائی کہلاتے ہیں۔

اسلام چاہتا ہے کہ انسان سب سے پہلے اپنی ذمہ داریاں پوری کرے۔ اس کے بعد اگر کچھ بچ جائے تو اپنے اقربا کی بھلائی پر خرچ کرے۔ پھر ہمسایہ کو دیکھے۔ یہاں حکم فرمایا کہ جس کا پڑوسی بھوکا سو گیا اس کا ایمان بھی سوگیا۔ اتنی بھاری ذمہ داری انسان کے ایمان پر ڈال دی گئی ہے۔ قرآن پاک میں ارشاد ہوتا ہے "اے رسول لوگ آپؐ سے پوچھتے ہیں کہ (اللہ کی راہ میں) کیا خرچ کریں؟ انہیں کہہ دیجے جو بچ جائے (خرچ کرڈالو) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ہاتھ اتنا نہ پھیلاؤ کہ کنگال ہو جاؤ اور نہ گردن سے لگالو یعنی بخیل ہو جاؤ جس نے دولت کمائی اور جس پر اللہ نے انعام فرمایا ہے اس پر واجب ہے کہ وہ اسے کام میں لائے مگر کام میں لانے کے طریقے بتادیئے اور فرمایا "خیر الامور اوسطہا" حد اعتدال پر خود بھی برتے، اہل وعیال کی آسائش اور کشائش سے کفالت کرے۔ توکل علی للہ کرے۔ خود اللہ نہ بن جائے اور مستقبل کے سارے منصوبے اور ان کے لیے اخرجات کے واسطے ارتکار زر نہ کرے بلکہ احسن طریقے اور اللہ تعالے پر توکل کرتے ہوئے کچھ تھوڑا بہت پس انداز بھی کرے تاکہ صدقات نافلہ، قربانی، اور بموجب حکم باری تعالی "اللہ کی محبت میں مسکین، یتیم اور قیدی کو کھانا کھلاتا رہے، لیکن ایسے انداز میں جمع نہ کرے کہ ہوس زر کا شکار ہوکر رہ جائے۔ یہ نہایت قبیح حرکت ہے۔ اس سے یہ نہیں اخذ ہوتا کہ اگر کوئی شخص دولت کے انبار پر سانپ بن کر بیٹھ جائے تو اللہ تعالے کے رزق کے خزانے میں کمی آجاتی ہے۔ بلکہ بخل، اخلاق کی ایک بیماری ہے جو انسان میں تھڑدلی، انقباض اور سفلی جذبات کو جنم دیتا ہے اور ایسے انسان کے دل سے اپنی نوع اور نسل سے محبت کا جذبہ ختم ہو جاتا ہے۔ جبکہ اسلام اخوت انسانی کا قائل ہے۔ دوسری خرابی جو بخل اور ارتکار زر سے پیدا ہوتی ہے یہ ہے کہ ایسے لوگ کثیر دولت ہونے کی وجہ سے تن آسانی، بسیار خوری، رنڈی بازی، بٹیر بازی، گانے بجانے اور اس قسم کی دیگر خرابیوں پر اپنی دولت کی وجہ سے آسانی سے قادر ہوجاتے ہیں۔ ان کے گرد، چاپلوسی کرنے والے، قصہ گو، گویے، ناچے۔ بھانڈ اور کلال ڈیرہ جماتے ہیں۔ ان کے اعمال شفیعہ سے معاشرتی اخلاق پر زد پڑتی ہے۔ سود کی حرمت کی علت یہی ہے کہ سود خور اپنی رقم سود پر لگاکر بیٹھ رہتا ہے۔ جدید زمانے میں بنکوں کے ذریعے یہی کام حکومتیں اور حرام خور مہاجنوں کے بڑے بڑے گروہ کرتے ہیں اور یوں چند ہزار مالکان بنک روئے زمین پر سارے بندگان خدا کے وسائل پر قابض ہو جاتے ہیں۔ سود پر جو روپیہ لگایا جاتا ہے وہ سرمائے کو جنم نہیں دیتا بلکہ سٹاک اور ذخیرہ کے ذریعے عالمی منڈیوں میں قلت پیدا کرکے، گرانی کو جنم دیتا ہے جس سے سٹاکسٹ اور ذخیرہ اندوز نفع کماتے ہیں اور اگر نقصان ہوجائے توبنک کوئی رسک

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نہیں لیتا، نقصان مقروض کی طرف منتقل ہوجاتا ہے اور نفع میں بنک حصہ دار ہوتا ہے۔ اسلام اس قسم کے کاروبار کو حرام قرار دیتا ہے۔ اسلام حاضر مال پر تجارت کی اجازت دیتا ہے۔ ذخیرہ اندوزی اور ملاوٹ اور مال کے معیار گرانے کی اجازت نہیں دیتا پھر ارشاد ہے " جس نے ملاوٹ کی وہ ہم سے نہیں " پھر ارشاد ہوا " جو تاجر غلہ اس ارادے سے روک کر رکھے کہ گرانی میں بیچے گا تو وہ گنہگار ہے " سودی کاروبار، سٹہ، لاٹری انعامی بانڈوں سمیت ہر قسم کا جوا بیکار دولت مندوں کا مشغلہ ہے اور یہی بے کار دولت مند معاشرتی خرابیوں اور اخلاقی بیماریوں کو پھیلانے والے وہ جراثیم ہیں جن پر کوئی انٹی بائٹک اثر نہیں کرتی۔ ارتکاز زر کو ختم کرنے کی یہی ایک تدبیر ہے کہ سود، سٹہ، لاٹری اور قمار بازی کی جدید و قدیم ہر قسم پر پابندی عائد کروی جائے اور یہ صرف اسلام کر سکتا ہے۔ قرآن مجید میں آتا ہے " کہیں ایسا نہ ہو کہ دولت تمہارے اغنیا کے درمیان ہی پھرتی رہے " یہ قرآنی حکم صراحت کے ساتھ ارتکاز زر کی حرمت بیان کرتا ہے۔ اسلام کا مزاج یہ ہے کہ دولت کا بہاؤ غرباء کی طرف رہے۔ مگر غرباء بھی مستقل طور پر غریب رہنے پر ہی مصر نہ رہیں بلکہ اپنی بگڑی بنانے کے لئے ساعی ہوں۔ چنانچہ انھیں قرآن مجید میں بشارت دی گئی ہے اور ان کی حوصلہ افزائی کی گئی ہے کہ " یہ ایام (حالات) ہم لوگوں کے درمیان گھماتے پھراتے رہتے ہیں " یعنی اللہ تعالے کسی بندے کے مقدار پر بد بختی کی مہر نہیں لگا دیتے بلکہ فرماتے ہیں " اور اللہ جسے چاہتا ہے بے حساب رزق دے ڈالتا ہے " اور غرباء کو یہ بات جان لینا ضروری ہے کہ اس باب میں منشائے خداوندی اور رضائے ربانی کے استحقاق کی بنیاد صرف محنت ہے۔ غربت جسے احادیث میں فقر کہا گیا ہے، وہ مفلسی اور گداگری نہیں اور نہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اپنے لئے فخر فرمایا ہے۔ فقر کی ماہیت یہ ہے کہ دولت سے بے نیازی اختیار کی جائے اور اسے سینت سینت کر گن گن کر اور پیار سے جمع کر کے نہ رکھا جائے۔ اس سلسلے میں سیدنا عثمان غنیؓ کی مثال صحیح اسلامی فقر ہے۔ حضور اقدسؐ کا فرمان ہے " اوپر والا ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے بہتر ہے، اوپر والا ہاتھ دینے والا اور نیچے والا لینے والا ہے "

اس فرمان کے ذریعے غرباء کو شوق دلایا گیا ہے کہ وہ لینے والے ہی بن کر زندگی نہ گزاریں کیوں کہ یہ بھی شرف انسانی کو داغدار کرنے والا عمل ہے۔ غربت اسلام کا مزاج نہیں ہے۔ قیامت والے دن مانگنے والے کے چہرے پر ماس نہ ہوگا۔ اس لیے غریبوں کو اس پستی سے نکلنے کی کوشش کرنا ضروری ہے۔ قرآن حکیم میں ارشاد ہوتا ہے کہ " کسی قوم کی حالت اس وقت تک نہیں بدلی جاتی جب تک وہ خود اسے بدلنے کی سعی نہ کرے " اس حکم سے دو چیزیں سامنے آتی ہیں۔ ایک یہ کہ اللہ باری تعالی بندوں کی قسمتوں پر مستقل طور پر غربت، افلاس اور نکبت کی مہریں نہیں لگا دیتے۔ دوسری یہ کہ جو لوگ اپنی ردی حالت سے نکل کر اچھی حالت میں جانے کی جدوجہد کریں گے تو اللہ تعالے برکت دیں گے اور ان کی حالت کو ضرور بدل دیں گے۔ لیکن اگر کوئی شخص اپنی ردی حالت کو بدلنے کی کوشش ہی سرے سے نہ کرے گا تو پھر اللہ تعالی بھی اس کی طرف رحم کی نظر سے نہیں دیکھیں گے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

وہ بھولے ہوئے ہیں یہ عادت خدا کی
کہ حرکت میں ہوتی ہے برکت خدا کی

نجی ملکیت میں اور ارتکاز زر میں فرق صاف واضح ہوچکا ہے ۔ اسلام ارتکاز زر کی کسی صورت میں اجازت نہیں دیتا ۔ جو لوگ دنیا میں دولت کے پجاری بن کر رہ گئے اور لیلائے زر ہی ان کی محبوبہ رہی ہے ان کو وعید سنادی کہ تم اس دنیا میں کب تک رہو گے ۔ آخر تو ہمارے پاس آؤ گے ۔ پھر یہی نقرئی اور طلائی سکے تپا تپا کر دوزخ میں تمھیں داغا جائے گا ۔ اور تمہاری یہ پیاری دولت جو تم نے حقوق اللہ اور حقوق العباد غصب کرکے ، ریاستی ٹیکس چوری کرکے ، ناجائز ذرائع سے ، رشوت سے ، سمگلنگ سے ، منشیات فروشی سے کمائی تھی اور گن گن کر رکھی تھی اور تجوریاں بھری تھیں اور بنکوں میں سودی سکیموں میں وگنی کرنے کیلئے لگائی تھی تمھیں اللہ کے غضب سے اور سزا سے ہرگز ہرگز نہ چھڑا سکے گی ۔

نجی ملکیت بجا مگر ذرا اللہ تعالے کا حسن بیان دیکھئے کہ وہ کس حسین انداز میں مالکان زر و جواہر کو پکارتا ہے اور فرماتا ہے ۔ " کون ہے جو اللہ کو قرض حسنہ دے " وہ ملک الملک اپنے بندوں کا معطی ہے ۔ اپنی ہی عطا د بخشش پر ان کا حق ملکیت تسلیم کرتا ہے اور پھر ان سے قرض حسنہ کی اپیل کرتا ہے اور پھر اس پر دس دنیا اور ستر آخر کا مژدہ سناتا ہے ۔ اب کوئی نہایت ہی بدنصیب فرد ہوگا جو اپنے دینے والے کو قرضہ بھی نہ دے اور پھر اس کے بدلے " فیضاعفه افعافاً کثیرة " کا انعام نہ حاصل کرے گا ۔ نجی ملکیت اسلام کا ایک مقدس اصول ہے ۔ اور ہم سمجھتے ہیں کہ کمیونزم کو شکست اس وجہ سے تو ظاہری طور پر ہوئی کہ اسے افاغنہ کابل سے جنگ مہنگی پڑی ۔ لیکن حقیقت صرف اور صرف یہ ہے کہ کمیونزم نے نجی ملکیت کا خاتمہ کرکے اپنی معیشت کی بنیاد ہی سرے سے ڈھادی ، انسان اور حیوان میں فرق یہ ہے کہ انسان اپنی محنت کے ثمر پر مالکانہ تصرف رکھتا ہے جبکہ حیوان کی محنت کا ثمر تو اس کا مالک لے جاتا ہے اور وہ بے چارہ صرف چارے کا حقدار سمجھا جاتا ہے ۔ کمیونزم نے انسان کو حیوان بناکر اسے روٹی ، کپڑے اور مکان پر ٹرخا دیا اور کمیونسٹ پارٹی کے عہدے دار اس کی محنت کے ثمرات پر دنیا کی ہر عیاشی کرتے رہے ۔ جب فرد کو اپنی محنت کے ثمرات سے محروم کردیا گیا تو اس نے پیداوار بڑھانے اور ترقی کے عمل میں دلچسپی لینا چھوڑ دی اور معیشت بیٹھ گئی ۔ چنانچہ اسلام چاہتا ہے کہ فرد کو اس کی محنت کے حاصل پر مکمل مالکانہ حقوق حاصل ہوں ۔ ایک مثال اس حق کے تقدس کی یہ ہے کہ اگر کوئی چور ، کسی شخص کی نجی املاک پر ہاتھ ڈالے تو اس کا ہاتھ کاٹ دیا جاتا ہے ۔

نجی ملکیت کی اس کیفیت کے بعد اسلام قارونیت کو ایک لعنت قرار دیتا ہے ۔ قرآن میں ارشاد ہوتا ہے " دنیا میں تو اپنے نصیب کو نہ بھول " یہ قارونیت کے سلسلے میں نہایت ہی حکیمانہ بات سمجھائی گئی کہ آخر انسان کو اس دنیا میں کتنی دولت درکار ہے اسے یہاں کتنی مدت رہنا ہے ؟ مختصر سی حیات دنیا کی ضرورتیں اور آسائش حد اعتدال کے اندر بوجوہ احسن پورا کرنے کے لئے گنج قارون کی تو ضرورت نہیں ۔ اس لئے انسان کیوں اپنی ساری توانائیاں اسی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ایک کام میں کھپا رہا ہے ۔ ہر طرف ایک ہی دوڑ لگی ہے ۔ ہر سر میں ایک ہی سودا سمایا ہے ۔ اگر انسان دنیا میں اپنے حصے کو یاد رکھے تو اسے بہت سی بے چینیوں سے نجات مل سکتی ہے ۔ حیات دنیا، حیات برزخ اور حیات آخرت کے مقابلے میں چند سانس ہے ۔ دنیا کی مرغوبات عورت ، اولاد ، دولت کے توڑے ، سونا ، چاندی ، موٹے تازے گھوڑے اور خوب صورت مویشی اور دل کش لہلہاتی کھیتی بلاشبہ بڑی ہی دلفریب ہیں مگر یہ یاد رکھنا ، جو کچھ اللہ باری تعالے نے تمھارے لئے ابھی رکھا ہوا ہے ، وہ بہت ہی حسین ہے ۔ انسان نے ہر دور میں جو بنیادی غلطی کی ہے وہ یہی ہے کہ وہ اسی حیات کو سب کچھ سمجھ بیٹھا ۔ حالانکہ یہ تو اس حقیقت ثابتہ کا عکس بھی نہیں جسے جنت الفردوس اور باغ عدن کی صورت میں ہمارے لئے سجا رکھا گیا ہے ۔ پھر انسان اپنی آنکھوں سے ہر روز دیکھتا ہے کہ روئے زمین پر فلک بوس محلات حصن حصین ، اگلے لوگوں کی باقیات کے طور پر موجود ہیں مگر وہ نہیں یقین کرتا کہ ایک دن اسے بھی اپنی دولت کے انبار یونہی چھوڑ کر جانا پڑے گا ۔

" ارتکاز زر " جب ایسی صورت اختیار کرجائے کہ مترفین خدا کی زمین میں فساد اور خرابی پیدا کرنے لگ جائیں تو اسلام آگے بڑھتا ہے اور مترفین کو ان وسائل رزق اور املاک سے محروم کردیتا ہے جن کے ذریعے وہ خرمستیاں کرتے ہیں ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا " ہر امت کا ایک فتنہ ہے اور میری امت کا فتنہ مال ہے " ظاہر ہے جب مال فتنہ گری کا ذریعہ بن جائے تو فتنہ گری کو روکنا نہایت ہی ضروری ہوجاتا ہے ۔ اس طرح استحصال بھی اسلام میں ممنوع ہے ۔ قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے " ھنیئاً مریٓاً " یعنی سچے سچے کھاؤ ۔ پھر فرمایا " لوگوں کے اموال باطل طریقوں سے نہ کھاؤ " سیدنا امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب یہ دیکھا کہ مال اصحاب بدر کے گھرانوں میں جمع ہورہا ہے کیوں انھیں مال غنیمت میں سے دگنا حصہ ملتا تھا تو آپ نے فرمایا کہ آئندہ مال غنمیت میں سے انھیں ایک حصہ ہی ملا کرے گا مگر وہ کسی بھی مال غنیمت آنے سے پہلے اپنے مولا کے پاس چلے گئے ۔ یعنی جب امیر المئولمنین نے ارتکاز زر ہوتے دیکھا تو فوراً اس کے انسداد کی تدبیر کرنے لگے ۔ امیر المومنین حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے ، اموی شہزادوں کی جاگیریں منسوخ فرمادیں کیوں کہ وہ انکے بل پر بے کار رہ کر بھی آسائش کی زندگی بسر کرتے تھے ۔ عراق کی فتح پر ، مجاہدین اس بات کے خواہاں تھے کہ مفتوحہ علاقے کی زرعی اراضی بھی ان میں مال غنیمت کے طور پر بانٹ دی جائے مگر حضرت عمرؓ نے اس بات سے اتفاق نہ فرمایا ۔ ان شواہد میں بعض اہل علم جو کمیونسٹ فلسفہ سے متاثر تھے مدتوں اور خاص طور پر اسی (۸۰) کی دہائی میں " الارض للہ " کو شامل کرتے رہے ۔ اور یہ دلیل دیتے رہے کہ زمین نجی ملکیت میں نہیں ہوتی کیوں کہ یہ اللہ کی ہے ۔ مخلوق ساری اللہ کی ہے ۔ اس لئے یہ قومی میراث ہے اور قومی ملکیت یعنی حکومت کے قبضہ میں ہونی چاہیے ۔ کاشتکار صرف کھیت مزدور کے طور پر کام کرے اور حاصل حکومت لے جائے ۔ یہ فکر تو اب اپنی موت آپ مرگئی ۔ تاہم بڑی زرعی جاگیریں جو غیر ملکی حکومت نے چاپلوسوں ، ٹوڈی بچوں ، مخبروں ، قومی غداروں اور استعمار کے ایجنٹوں کو دی تھیں ، اسلام ان کو سلب کرلینے کی اجازت دیتا ہے ۔ مگر وہ زرعی اراضی جو مالکان اراضی نے جائز کمائی سے خریدی ہے ، اسلام اسے مکمل تحفظ دیتا ہے ۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

لیکن " قل العفو " کا نیک اصول یہاں بھی لاگو ہے ۔ اس راہنمائی میں ریاستی دخل شامل نہیں ۔ یہ انسان کی نیک سرشت سے تقاضا کیا گیا کہ وہ چیز جو تمہاری ضرورت سے زائد ہے، تم خود ہی اپنے بھائیوں کو دے دو تاکہ وہ بھی با عزت زندگی گزار سکیں ۔ پھر اس بڑی دولت اور بڑی جاگیر میں بہت سے خطرات پنہاں ہیں ۔ عام طور پر دیکھا گیا ہے کہ وہ بڑے بڑے جاگیروار اور سرمایہ دار اور ان کی اولادیں بے کار رہ رہ کر مختلف اخلاقی اور ناقابل علاج جسمانی بیماریوں میں مبتلا ہوجاتے ہیں ۔ اس لیے اسلام چاہتا ہے کہ وہ زائد ازکار دولت اور زمین سے خود ہی دستبردار ہو جائیں اور اس کا بدلہ اگلے جہان میں اپنے خالق ومالک سے لے لیں ۔ تاہم ریاست اسلام، اگر دیکھے کہ ملکیت زمین اور ارتکاز زر، امت کے اجتماعی مفاد پر ایک مستقل روگ ہے تو وہ ان دونوں کی تحدید کے لئے قانون سازی کرسکتی ہے مگر یہ کام انسانیت کی فلاح عامہ کے لئے ہونا چاہیے ۔ اس میں بھلائی اور خیر، اصول کے طور پر کارفرما ہونا چاہیے ۔ سرمایہ دار اور جاگیر دار کو ملعون ٹھہرا کر دیا ریاستی جبر کے ذریعے اس کی املاک سے اسے محروم کردینے کی غرض بذات خود ظلم بن جاتی ہے ۔

ارتکاز زر کیسے ہوتا ہے؟

اس کا جواب نہایت ہی آسان ہے ۔ حلال ذرائع رزق سے آنے والا سرمایہ جس سے حقوق اللہ اور حقوق العباد ٹھیک ٹھیک ادا کیے جائیں ۔ سخاوت اور صدقات نافلہ کے ساتھ ساتھ ریاستی ٹیکس پورے پورے ادا کیے جائیں، اس میں برکت تو ہوگی مگر وہ کبھی اتنا ہو نہیں سکتا کہ دنیا میں قارونیت کی کوئی صورت پیدا کرسکے ۔ میراث اگر صحیح اسلامی قوانین کے تحت، بیٹوں اور بیٹیوں میں تقسیم ہوتی رہے تو بڑی سے بڑی جاگیر دوسری یا تیسری نسل میں خود بخود تقسیم و تحلیل ہوجائے گی ۔ سرمایہ داری اور جاگیر داری کے قیام کا پہلا ذریعہ رزق کے حرام ذرائع ہیں ۔ پھر حقوق اللہ اور حقوق العباد کا غصب ہے ۔ پھر قانون وراثت کی خلاف ورزی ہے ۔ ریاست کے قیام کا مقصد ہی یہ ہے کہ وہ بندوں کو حرام ذرائع سے رزق کمانے سے روک دے ۔ اور حقوق کی ادائیگی اگر بندے رضاکارانہ طور پر نہ کریں تو بذریعہ قانون ملکی ان سے وہ ادا کرائے ۔ مثلاً ریاست یہ قانون بناسکتی ہے کہ کوئی بیٹی، باپ کی میراث میں سے اپنے حصے سے دستبردار نہیں ہوسکتی ۔ اسلام کسی مالک جائیداد کو اپنی جائیداد کے ایک ثلث کے متعلق وصیت کرنے کا حق دیتا ہے باقی جائیداد قانون وراثت کے تحت تقسیم ہوگی ۔ گویا مالک ہوتے ہوئے بھی، وہ اسلام کے قانون وراثت کو توڑ نہیں سکتا ۔ اب ہوتا یوں ہے کہ بڑے جاگیردار یا تو اپنی زندگی میں جاگیر بیٹوں کے نام منتقل کرادیتے ہیں یا ایسے ذرائع اختیار کئے جاتے ہیں کہ بیٹیاں اپنے حصے سے بھائیوں کے حق میں دستبردار ہو جائیں ۔ بلکہ یوں بھی کیا جاتا ہے کہ بیٹیوں کے رشتے دینے کے وقت ہی " وٹہ سٹہ " کی شادیاں کی جاتی ہیں کہ دونوں طرف کی لڑکیاں وراثت پدری سے فارغ خطی لکھ دیں گی ۔ یہ سب حیلے اور حربے قانون وراثت کو غیر موثر کرنے کے لئے کئے جاتے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہیں۔ دنیا کا کوئی بھی قانون بھی اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ چور دروازوں کے ذریعے اس کی نفی کی جائے۔ اس لئے حکومت قانون سازی کر کے ایسا انتظام کر سکتی ہے کہ لوگ قانون کو جل نہ دے سکیں اور قانون وراثت کو توڑ نہ سکیں۔ اور اگر ایسا کیا جائے تو یہ کوئی ظلم نہیں ہوگا بلکہ حقدار کو حق دلانے کی تدبیر ہے۔ اس سے بڑی بڑی زرعی جاگیریں صرف پچاس سال میں سکڑ جائیں گی۔ اور یہی قانون وراثت صنعتی کارخانوں اور سکنی جائیدادوں پر نافذ کیا جائے اور اثاث البیت اور اور منقولہ سرمائے اور زیورات پر بھی تو " ارتکار زر " کی تمام منفی صورتیں بہت جلد مٹ جائیں گی۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے منکرین زکوۃ کے خلاف قتال کیا تھا گویا یہ امر جائز ہے کہ جو لوگ حقوق اللہ اور حقوق العباد اور ریاستی ٹیکس رضاکارانہ طور پر ادا نہ کریں، ان کے خلاف قانون حرکت میں لایا جائے، اور جو مالکان قانون وراثت کی حرمت کو مجروح کرتے ہیں، ان کے ہاتھ روک دیئے جائیں۔ بیٹی کو اس کی وراثت دلانا، عدل ہے، ظلم نہیں ہے۔

اسلام رزق کے بارے میں ایک اور نہایت بلیغ حکم دیتا ہے۔ " رزق حلال اور طیب کھایا کرو" حلال رزق کی تشریح کوئی بڑی پیچیدہ نہیں۔ یعنی رزق جائز ذرائع اور معروف طریقے سے کمایا جائے تو وہ حلال ہے۔ مرغی یقیناً حلال اور طیب ہے مگر وہ مرغی جو رشوت کی کمائی سے خریدی گئی ہو تو وہ حرام ہے بیشک اس پر تکبیر پڑھ کر چھری چلائی گئی ہو وہ کھانے والا اپنے پیٹ میں آگ ڈالتا ہے۔ رزق جائز ذرائع سے کمایا جائے تو اس سے استحصال ظلم اور معاشی ناہمواری کے تمام امکانات ختم ہوجاتے ہیں۔ رشوت ہی کو لیں یہ اگر کسی جائز کام کے کرنے کے بدلے لی گئی ہے تو دینے والے کا استحصال ہوا۔ اگر رشوت لے کر ناجائز کام کیا گیا تو ظلم ہوا۔ مثلاً اگر مجرم کو رشوت لے کر چھوڑ دیا گیا تو اس شخص پر ظلم ہوا جس کا وہ مجرم تھا۔ بہرحال دونوں صورتوں میں مرتشی کے گھر " ارتکاز زر " ہوا جس کے نتیجے میں استحصال اور ظلم ہوا۔ تجارت، کاشتکاری، سرکاری ملازمت اور رزق کمانے کے دیگر ذرائع میں حرام داخل کردیا جائے تو ان جائز ذرائع سے کمایا جانے والا بھی حرام ہوجاتا ہے۔ اور اس باب میں کوئی عذر قابل قبول نہیں ہے۔ مثلاً اگر کسی سرکاری ملازم کی تنخواہ اتنی قلیل ہے کہ وہ اس میں اپنے اہل وعیال کی کفالت نہیں کر سکتا تو متبادل ذرائع تلاش کرنا واجب ہے لیکن وہ اس عذر پر رشوت نہیں لے سکتا۔ اسلام کشائش رزق کی دعائیں سکھاتا ہے تو اس سے پھر یہی ثابت ہے کہ وہ " خیر الرازقین " اپنے بندوں کی ضروریات اور تمنائیں پوری کرتا ہے اور ایسے ایسے امکانات پیدا فرما دیتا ہے جو بندے کے سان گمان میں بھی نہیں ہوتے۔ مگر حرام کبھی پنپ نہیں سکتا۔ اگر دیدہ عبرت وا کر کے اپنے گردوپیش کو دیکھیں تو دونوں قسم کی ہزاروں مثالیں مل جائیں گی۔ جو مفلس اور قلاش تھے، اللہ تعالے نے انھیں مالا مال، خوش حال، اور نہال کردیا اور جو مترفین تھے، راشی تھے، حرام خور تھے، غاصب اور ڈاکو تھے وہ اپنی شامت اعمال میں ایسے پکڑے گئے کہ محل، ماڑی، کھیتی باڑی، منڈی کاروبار میں سے کچھ بھی نہ رہا اور جن بنکوں کے ملازمین ان سے ڈیپازٹس لینے آتے تھے، انھیں بنکوں میں وہ کنگال ہوئے اور ساکھ ایسی اکھڑی کہ بازار میں کوئی کی کوئی چیز بھی ادھار دینے کو تیار نہیں۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

آپ کہیں گئے کہ آزمائش جوع، خوف، مال وجان کے نقصان کے ذریعے تو نیکوں کی بھی ہوتی ہے مگر ہم یہاں نیکوں کی بات نہیں کررہے۔ موضوع حرام ذرائع رزق ہے۔ آزمائش، امتحان ہے صدق وصفا کا ہے مگر حرام کھانے والے کی آزمائش نہیں ہوتی اس کی سزا ہوتی ہے۔

اقتصادیات صرف ذرائع رزق اور وسائل پیداوار سے عبارت نہیں ہے۔ اسلام نے اس سلسلے میں جو اصولی ہدایات دی ہیں وہ نہایت ہی بلیغ ہیں۔ اسلام اقتصاد کو ایک زمینی حقیقت کے طور پر لیتا ہے۔ خیروبرکت اور کشائش رزق آسمانی رحمتیں ہیں جو ہر انسان کا استحقاق بن سکتی ہیں جب کسی گوشۂ ارض کے وسائل وہاں مقیم آبادی کی ضروریات کو کفایت نہ کرتے ہوں تو وہاں سے نقل مکانی کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اور فرمایا "خدا کی زمین بڑی وسیع ہے" پھر فرمایا "زمین میں پھیل جاؤ اور خدا کے فضل کی طلب اور تلاش کرو" زمین میں پوشیدہ خزانے اور سمندروں میں "تازہ گوشت" بھی تمہارے لئے ہے۔ ماہی گیری، ایک وسیع کاروبار اور پیشے کے طور پر سائنٹفک بنیادوں پر تو حال ہی میں استوار ہوئی ہیں استوار ہوئی ہیں مگر اسلام اس وسیلۂ رزق کی تلاش کی نشان دہی صدیوں پہلے کر چکا ہے۔ اگر تمہاری آبادی بڑھتی ہے تو اللہ کی زمین بڑی وسیع ہے اور خالق نے طبقات الارض میں تمہارے واسطے جو جو خزینے اور دفینے مخفی رکھے ہیں، انکی تلاش کرتے رہو گے تو ہر روز نئی سے نئی دولت تمہارے ہاتھ آتی رہے گی اور یہ خزینے اس نے تمہاری آنے والی نسلوں کی ضروریات کا سامان کرنے کو محفوظ رکھے ہیں۔ جوف زمین کی بات تو دور کی ہے، ابھی انسان سطح زمین سے صرف جزوی فائدہ اٹھارہا ہے۔ خود ہمارے ہاں قابل کاشت اراضی کا صرف ۲۵ فی صد حصہ بمشکل زیر کاشت ہے اسلام چاہتا ہے کہ انسان زمین میں پھیل جائے تو امکانات کے نئے نئے جہاں اس پر کھلتے ہیں صرف میسر امکانات پر اکتفا نہ کیا جائے بلکہ وسائل میں وسعت پیدا کی جائے آبادی کا پھیلاؤ اس مضمون کا موضوع نہیں صرف جملہ معترضہ کے طور پر بات آگئی کہ انسان نے جتنی فکر اور تدبیر آبادی میں اضافہ میں روکنے کے لئے کی ہے، اگر اس سے آدھی کوشش وسائل نو کی تلاش میں کی جائے تو معاملہ بخوبی حل ہوسکتا ہے۔

اقتصادیات کے ماہرین نے طلب ورسد وغیرہ کے جو اصول وضع کئے ہیں اور گروس نیشنل پروڈکشن کے گرد جو تھیوری گھومتی ہے ہمیں اس سے تعرض کی کوئی حاجت نہیں۔ مگر ایک بنیادی نوعیت کا سوال ابھی تک ان افکار کے واضعین سے جواب کا طالب ہے اور وہ یہ کہ طلب کیا ہے۔ اسلام نے صرف طلب سے بحث کی ہے کیوں کہ طلب ہی قلت گرانی یا فراوانی اور ارزانی کا تعین کرتی ہے۔ شیخ سعدیؒ نے ایک حکایت لکھی ہے کہ کوئی درویش کسی بستی میں سے گزرا، بستی کے کتے اسے کاٹنے کو دوڑے۔ اس نے انھیں دفع کرنے کے لئے زمین سے پتھر اٹھانا چاہا مگر پتھر برف باری کی وجہ سے برف میں جم گئے تھے اور وہ بہزار دقت پتھر نہ نکال سکا۔ اتنے میں کتے اپنا کام دکھا گئے تو درویش نے بے ساختہ کہا اس بستی کے لوگ کیسے ہیں جنھوں نے پتھر تو باندھ دیئے ہیں اور کتے کھلے چھوڑ دیئے ہیں" سو مغرب اور امریکہ کے ماہرین نے "طلب" کا کتا کھلا چھوڑ دیا ہے اور پیداوار کے پیچھے لٹھ لئے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پڑے ہیں۔جبکہ اسلام معاملے کی جڑ پر نظر رکھتا ہے۔ طلب ضرورت سے جنم لیتی ہے۔ ضرورت کا گھوڑا بڑا منہ زور ہے۔ اسلام اسے لگام دیتا ہے۔ اسلام اس گھوڑے کو کھد کھڑے نہیں مارنے دیتا۔ بلکہ اس کی تعدیل کرتا ہے۔ضرورت اور عیاشی کے درمیان ایک واضح خط امتیاز کھینچتا ہے۔جہاں تک انسان کی جسمانی ضروریات کا تعلق ہے، اسلام ان کی ربوبیت کا زبردست مؤید ہے۔تاکہ انکی ٹھیک ٹھیک تکمیل ہو۔ جسم جو روح کا قالب ہے۔ روح کا پودا کمزور قالب میں نہیں پنپ سکتا۔ اسلام کی روح جہاد ہے۔جہاد کا جذبہ کسی بندے میں جبھی جنم لیتا ہے کہ اس کی روح مادی کثافتوں سے پاک ہو مگر جس بازور کو تلوار پکڑنا ہے وہ بھی تو قوی ہونا چاہیے۔ اس لئے اسلام بازوئے قوی کے تمام مطالبے اور تقاضے پورے کرتا ہے مگر وہ اس بات پر سخت پابندی عائد کرتا ہے کہ کوئی بندہ نعمائے ایزدی پر شیطانی تصرف کرے اور ان کے ضیاع کا باعث بنے۔اس وضاحت کے بعد ہم آسانی سے سمجھتے سکتے ہیں کہ "طلب" کا اسلامی مفہوم کیا ہے۔کپڑا سترۃ العورت کے بعد، جسم کو موسم کے مطابق سردی گرمی سے بچانے کے ساتھ ساتھ اپنے اپنے ذوق اور نفاست طبع کے بموجب زینت و آرائش کا ذریعہ بھی ہے۔ اسلام ان سارے تقاضوں کی تکمیل چاہتا ہے۔چنانچہ ارشاد ہوتا ہے "مسجدوں میں آو تو زینت کرکے آؤ" خوشبو لگاؤ، کنگھی کرو۔ رہائش کے لئے گھر چاہیے۔اپنی اپنی توفیق کے مطابق ہرکہ و مہ سر چھپانے کے لئے جگہ تعمیر کرے۔ اسلام کوئی تعرض نہیں کرتا۔ مہمان نوازی، اسلام کا درس ہے۔ہدیہ تحفہ کا لین دین اور دعوت عشیرہ اور دعوت احباب سب اسلام میں روا ہے۔ بلکہ ان کی حوصلہ افزائی کرتا ہے۔ دودھ ہر شخص کی ضرورت ہے، ہر کوئی پیئے۔ کوئی پابندی نہیں۔ گوشت انسانی جسم کی ضرورت ہے، خوب کھائے۔ اب دیکھئے ایک ایک جوڑے پر پچاس ہزار روپے خرچ کرنا کتنی بڑی حماقت ہے۔ پھر ایک انسان کو اپنی ساری ضرورت کی تکمیل کے واسطے زیادہ سے زیادہ چھ جوڑوں کی طلب ہوسکتی ہے مگر درجنوں کے حساب سے کپڑوں کے جوڑے بنوانا غیر ضروری ہے۔ مہمان نوازی کے لئے کئی کئی کھانے تیار کرنا، ضرورت نہیں، عیاشی ہے۔ گھر میں اگر صوفہ درکار ہے تو لاکھ روپے کا صوفہ سیٹ اور لاکھ روپے کا بیڈ ضرورت نہیں، عیاشی ہے۔ ولیمہ پر دو چار دیگیں پکالینا تو سنت کے حکم میں آسکتا ہے مگر ہزاروں کے حساب سے مہمان بلالینا اور سینکڑوں کے حساب سے دیگیں پکاڈالنا ضرورت نہیں صرف شیطانی فعل ہے۔ اس لئے اسلام طلب کو ایک حد کے اندر رکھتا ہے اور اس سے آگے تبذیر کا حکم لگاکر اسراف کو کار شیطان قرار دیتا ہے۔ یہ کہا جاسکتا ہے کہ دولت اپنی ہے، دولت مند جس طرح چاہے، اسے خرچ کرے، اس پر پابندی کیسی؟ یہ سوچ نری طفلانہ ہے۔ اس طرح تو دنیا کا کوئی قانون بھی نہیں کرنے دیتا۔ دور کیوں جائیں۔ جان تو ہر ایک کی اپنی ہے۔ کیا دنیوی قانون اس بات کی اجازت دیتا ہے کہ کوئی شخص اسے اس لئے گنوادے کہ جان اس کی اپنی ہے؟ خودکشی قانون میں جرم ہے۔ حالانکہ خودکشی کرنے والا کسی اور کا کچھ نہیں گنواتا۔ جبکہ مترفین اور مسرفین نعمائے ربانی جو انسانیت کا اجتماعی خزانہ ہیں، انھیں برباد کرتے ہیں اسلام کسی کی طلب کو اس لئے حد اعتدال سے نکلنے کی اجازت نہیں دیتا کہ اس سے رسد میں کمی واقع ہوتی ہے اور گرانی بڑھتی ہے۔ دولت مند کی دولت اس کی اپنی ہے، مگر جس قدر اس میں اضافہ ہوتا جاتا

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہے ،اس پر انکم ٹیکس اور دولت ٹیکس بڑھتا جاتا ہے اور ایک وقت آجاتا ہے کہ روپے میں سے ۰۷ پیسے ٹیکس نکل جاتا ہے ۔ ہوائے نفس کی پیروی اسلام میں حرام ہے ۔ نفس امارہ پر اگر قدغن نہ لگائی جائے گی تو اس کے مطالبات کی کوئی تو حد ہی نہیں ہے ۔ غور کریں تو معلوم ہوگا کہ مترفین اور مسرفین اپنی غیر ضروری طلب کی تکمیل کے واسطے منڈی اور بازار میں رسد کی کمی پیدا کر کے لاکھوں بندگان الٰہی کے لئے وہ عذاب برپا کردیتے ہیں کہ ان کے لئے جسم وجان کا رشتہ برقرار رکھنا مشکل ہوجاتا ہے ۔ خودکشی کرنے والا صرف اپنی جان گنواتا ہے تو قانون دنیا اور قانون الٰہی دونوں میں وہ مجرم ہے ۔ مترفین اور مسرفین اس لئے مجرم ہیں کہ اپنی بے لگام طلب سے رسد میں کمی پیدا کرتے ہیں اور دیگر مخلوق خدا کی جان لیتے ہیں ۔ اس لئے اسلام انسانیت کے ان اجتماعی دشمنوں کا ہاتھ روکتا ہے ۔ چنانچہ طلب اور رسد کی تھیوری جو اسلام پیش کرتا ہے ،وہ زیادہ صحیح ہے ۔ قرآن مجید نے اس سارے پیچیدہ اور لاینحل مسئلہ کا حل ، جس کی تلاش میں یورپ اور امریکہ کے ماہرین اقتصادیات نے بڑی بڑی مغزماری کی ہے ،صرف تین کلمات میں پیش کردیا " کلوا واشربوا ولا تسرفوا" انسان کی طلب ہی اگر فیصلہ کن امر ہے تو دنیا کا کوئی فلسفہ ،اس کی طلب کی تسکین کے لئے رسد بہم نہیں پہنچا سکتا ۔ لوگوں کو ایک غلط فہمی ہے کہ امریکہ اور یورپ میں طلب کے مطابق رسد موجود ہے ۔ یہ دعوی بے بنیاد ہے ۔ حقیقت میں یہ دیکھنا چاہیے کہ رسد کس بھاؤ ملتی ہے ۔ ان ممالک میں اشیائے صرف کی قیمتیں آسمان سے باتیں کرتی ہیں ۔ گرانی کا شیطانی چکر وہاں بھی بڑا سریع الحرکت ہے مگر وہاں غیر قدرتی طریقوں سے طلبگاروں کی تعداد کم کردی گئی ۔ ضبط تولید کے واسطے ،وہاں جو شرمناک حکمت علی اختیار کی گئی ہے ۔ کوئی اخلاقی سسٹم اس کی اجازت نہیں دے سکتا ۔ آزاد جنس پرستی وہاں کا فیشن ہے ۔ نسب کی پاکیزگی اور طہارت ان معاشروں میں دیر سے قصہ پارینہ بن چکا ہے ۔ یہ معاشرے ہر اس جنسی آ ن کو روا رکھتے ہیں جو مستی نکالنے میں مددگار ہو مگر اولاد پیدا نہ کرنا ہو اس فحاشی اور حرام کاری کی مدد سے اگر طلب گاروں کی تعداد کم کرلی گئی ہے تو یہ کسی فلسفہ کی کامیابی نہیں کہلاسکتی ۔ برطانیہ کا شاہی خاندان جو اشرافیہ کی علامت ہے ،اس کے فرد ، کیا ذکور ، کیا اناث کی جنسی زندگی کے بارے میں جو کچھ ان ممالک کے اخباروں ، رسالوں ، تصویروں اور کتابوں میں چھپتا رہتا ہے ۔ اگر یہاں کسی ادنی ترین گھرانے کے بارے میں چھپ جائے تو قیامت برپا ہوجائے اور یہاں کے اشراف اگر خدا نخواستہ ان سیکنڈلز کا موضوع بن جائیں تو زندہ درگور ہوجائیں ۔ اس لئے ہم اللہ تعالے سے التجا کرتے ہیں کہ وہ ہمیں اور ہماری عصمت مآب بہو بیٹیوں اور ماؤں بہنوں کو اپنی حفاظت میں رکھے اور وہ وقت نہ لائے کہ طلب ورسد میں توازن پیدا کرتے کرتے ، اپنی متاع اخلاق ، اپنی اولادوں کے نسب اور اپنی اسلامی اور قومی پاکیزگی سے محروم ہوجائیں ۔ مغرب کے یہ سارے فلسفے بنیادی طور پر اپنی تردید آپ کرتے ہیں ۔ زرعی ۔ معدنی اور صنعتی پیداوار ان ممالک میں جہاں تک بڑھ چکی ہے ۔ اس سے آگے تو کوئی حد نظر ہی نہیں آتی اور صنعت کا پہیہ جس تیزی سے گردش کررہا ہے اس میں مزید تیزی لانے کے امکانات کہاں موجود ہیں ؟ اسی حقیقت کو بھانپتے ہوئے یہ ہوشیار ممالک یورپ کی کامن مارکیٹ اور کامن کرنسی کے اصول وضع کررہے ہیں ۔ انھیں معلوم ہے طلب ورسد کا یورپی اور امریکی فلسفہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

خلاف عقل و حقیقت ہے ۔ اس لئے وہ انٹرنیشنل مالیاتی فنڈ (آئی ایم ایف) وغیرہ جیسے مہاجنی ادارے قائم کر رہے ہیں اور ان کے ذریعے افریقہ اور ایشیا کے پس ماندہ ممالک کی معیشت کو چوس رہے ہیں ۔ یہ ان ممالک کی خوش قسمتی اور تیسری دنیا کی بد قسمتی ہے کہ یہاں کی دولت امریکہ، برطانیہ، برطانیہ، فرانس اور سوئٹزرلینڈ کے بنکوں میں جاتی ہے ۔ ان بدقسمت اقوام کے سیاسی لیٹرے اور زر پرست وڈیرے اور قارون صفت سرمایہ دار یہاں کی دولت لوٹ کر وہاں جا چھپاتے ہیں اور وہ ممالک اپنی معیشت کے لئے تازہ خون کثیر مقدار میں بر روز پورے کرۂ ارض سے حاصل کرتے ہیں اور باقی دنیا کی قسمت سلانے کے لئے نئے نعرے اور فلسفے اس کو دیتے رہتے ہیں ۔ ان کی معاشی کامیابی، کسی مثبت پیداواری فلسفے پر مبنی نہیں ہے ۔ اس کی بنیاد سراسر چالاکیوں، دغا بازیوں اور بین الاقوامی وسیسہ کاریوں پر ہے ۔ اس کے مقابلے میں اسلام کا معاشی فلسفہ نہایت ہی شفاف اور مثبت بنیادوں پر قائم ہے ۔ اس کی بنیاد خیر پر ہے ۔ وہ اس بات کو جائز نہیں رکھتا کہ ایک آدمی روٹی کے چند لقمے اور تر نوالے حاصل کرنے کے لئے سود کھانا شروع کردے ۔ وہ اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ روئے زمین پر کوئی ایسی اجارہ داری قائم کی جائے جو آبادی کے کسی ایک طبقہ کے لیے مفید مگر دوسرے کے لئے نقصان دہ ہو ۔ سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے بئرِ رومہ یہودی سے خریدا تو اسے صرف مسلمان کے لئے وقف نہیں کیا تھا بلکہ یہود و نصاریٰ بھی اس کا پانی پینے میں آزاد تھے

وما توفیقی الا باللہ

تبلیغی کتابیں مفت منگوائیں ۔

ادارہ تبلیغ جام پور کی طرف سے درج ذیل تازہ تبلیغی لٹریچر چھپوا کر مفت تقسیم کیا جارہا ہے ۔

۱۔ اصلی اہل سنت ۔ ۲۔ سماع موتیٰ (یعنی مردے سنتے ہیں ؟) ۳۔ کونڈوں کی حقیقت ۴۔ رد بدعت ۔ ۵۔ مسئلہ طلاق قرآن وسنت کی روشنی میں ۔ ۶۔ قرآن خوانی اور ایصال ثواب ۔ ۷۔ ضرب محمدیؐ

خواہشمند حضرات مبلغ پندرہ روپے کے ٹکٹ بھیج کر طلب فرمائیں

نوٹ : ادارہ ھذا کا جملہ لٹریچر مفت تقسیم کیلئے شائع کیاجاتا ہے کسی کو خرید وفروخت کی اجازت نہیں ہے ۔

محمد یسین راہی مدیر ادارہ تبلیغ اسلام جام پور ۔ ضلع راجن پور (ڈویژن ڈیرہ غازی خان) فون ۶۷۲۱۸ـ۰۶۴۱

© rasailojaraid.com